مخرج ابی سفیان وا صحابہ الی الشام ......) اس کے علاوہ اس کاروان قریش ایک سیاسی مقصد بھی پر ہم کچھ بعد میں بحث کریں گے اور واقعہ نخلہ کے نتائج کے علاوہ بعض دوسری تفصیلات یہ واضح کرتی ہے کہ یہ قریشی کارواں واقعہ نخلہ کے بعد کسی وقت رجب ۲ھ میں روانہ ہوا تھا اور اس کی واپسی دو ماہ بعد رمضان ۲ھ میں ہوئی تھی۔ اگر یہ تعین وقت صحیح ہے تو واقدی اور ابن سعد کا یہ دعویٰ کہ غزوہ ذوالعشیرہ میں آپ نے اسی کارواں پر حملہ کرنا چاہا تھا غلط معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ واقعۂ بدر کے اسباب کی بعض تفصیلات ثابت کرتی ہیں کہ آپ نے اس قریشی کارواں پر اس کی واپسی پر ہی حملہ کرنا چاہا تھا۔ خود واقدی اور ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کارواں کی واپسی کے وقت کا انتظار کرتے رہے تھے اور جب وہ وقت آگیا تو آپ نے اپنے اصحاب کو بلا کر کہا کہ یہ قریش کا کارواں آرہا ہے جس میں اُن کا تمام مال لگا ہے شاید اللہ تم کو اس میں غنیمت عطا فرمائے۔[۴۲] اس کے علاوہ ابن اسحاق اور ان کے جامع اور دوسرے تمام ماخذ سے ثابت ہوتا ہے کہ شام سے واپسی کے دوران کاروان قریش پر چھاپہ مارنے کا حکم دیا گیا تھا۔[۴۳] خاص کر ابن اسحاق کا یہ جملہ کہ مسلمانوں میں سے بعض نے یہ حکم نبوی بخوشی قبول کیا تھا اور بعض نے ناگواری سے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ آپ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کے لیے نہ خود جائیں گے نہ ان سے کہیں گے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے آپ کی تمام مہمیں بشمول غزوۂ ذوالعشیرہ چھاپہ مار کارروائی یا جنگ کے لیے نہ تھیں کیونکہ چھاپہ مار کارروائی میں بھی جنگ کا اور خوں ریزی کا خطرہ ضرور تھا اور اسی خطرے سے بعض لوگ بچنا چاہتے تھے۔

قریشی کارواں کی تعین اوقات آمد و رفت کے علاوہ اس غزوہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جادۂ سفر کا معاملہ بہت اہم ہے۔ ابن اسحاق کے بیان پر کسی قسم کا شبہ کرنے کا کوئی سبب نہیں ہے۔ بہرحال اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے عام سفر کے راستے سے ہٹ کر کافی دور سفر کیا تھا اور منزل مقصود کے قریب معمول کے راستے پر آئے تھے جہاں سے ذوالعشیرہ پہنچے۔ ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاصا پیچدار اور لمبا راستہ تھا۔ عام راستہ کو چھوڑنا تو راز داری کی خاطر بھی ہو سکتا تھا مگر ایک طویل تر اور پیچیدہ تر راستہ اختیار کرنا قیمتی وقت لیتا ہے جیسا کہ اس مہم کے دوران ہوا۔

اگر آپ مدینہ سے سیدھے شاہراہ تجارت کا رخ کرتے اور بجائے مغرب شمال کے مغرب جنوب یا سیدھے مغرب میں جاتے تو زیادہ جلد اور شاید وقت پر پہنچ جاتے جیسا کہ آپ نے غزوۂ بدر سے پہلے کیا تھا لیکن دراصل شاہراہ تجارت آپ کی اصل منزل نہ تھی۔ آپ کی اصل منزل تو بنو مدلج کا علاقہ تھا جن کی خاطر آپ نے یہ سفر کیا تھا۔

تقریباً تمام مآخذ سے عام طور پر اور بلاذری کے ایک جملے سے خاص کر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس مہم کا مقصد بنو مدلج اور ان کے ضمری حلیفوں سے معاہدۂ اخوت و دوستی تھا۔ اس کی مزید تائید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ آپ نے ذوالعشیرہ میں مختلف روایات کے مطابق ایک ماہ سے زیادہ اور دو ماہ سے کم وقت گذارا یہ وقت گذاری محض عام قریشی کاروانوں کے گذرنے یا اس مخصوص بڑے قریشی کاروان کی واپسی کی خاطر نہ تھی جیسا کہ واقدی کی دو روایتوں میں ایک جذامی شخص کے تاثر سے ہوتی ہے[۸] کیونکہ یہ بین امر تھا کہ قافلہ جلد ہی گذر چکا تھا اور ماہ ڈیڑھ ماہ میں اس کی واپسی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس لیے یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ آپ کا علاقہ بنو مدلج میں قیام قریشی کاروان کی واپسی کے انتظار میں نہ تھا بلکہ اس علاقہ کے لوگوں کی خاطر تھا۔ اس خیال کی مزید تائید خود واقدی ہی کی روایتوں سے ہوتی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ آپ قریشی کاروان کی واپسی کے سلسلہ میں وقت شماری کرتے رہے تھے یعنی آپ کو اندازہ تھا کہ اس کی واپسی کا متوقع وقت کون سا ہو گا۔ اور غزوۂ بدر کے لیے آپ کی ۱۲ ار رمضان ۲ھ کو روانگی اور وہ بھی اپنے ان جاسوسوں کی واپسی کا انتظار کیے بغیر جو قریشی کاروان کے بارے میں حتمی معلومات حاصل کرنے گئے تھے کی مراجعت مدینہ سے پہلے اور پھر ۱۶ ار رمضان ۲ھ کو بدر میں پہنچنے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ آپ کو اس تاریخ یا اس کے معًا بعد قافلہ مکہ کے بدر سے گذرنے کا کتنا صحیح اندازہ تھا۔[۹] ابوسفیان نے اپنا قافلہ تجارت مسلمانوں کی اندازۂ تاریخ و وقت، مقام گذر و راہگذر وغیرہ کی وجہ سے نہیں بچا لیا تھا بلکہ محض اپنی دوراندیشی، سوجھ بوجھ اور عین بدر سے پہلے اصل راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر کے اور تیز رفتاری سے قریش کو خبر کر کے اور مسلم فوج کے تعاقب کی راہ کو مسدود کر کے بچایا

اور محفوظ کیا تھا۔[۸۷]

اسی ذیل میں ایک اہم نکتہ اور ابھرتا ہے۔ واقدی، ابن اسحاق اور بغدادی کے بیان سے واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈیڑھ ماہ کے قریب قیام کیا تھا۔ اگر اس غزوہ کی تاریخ واقدی کی بتائی ہوئی تسلیم کرلی جائے تو مدینہ کو آپ کی واپسی ماہ رجب کے اواخر یا کم از کم اواسط کے بعد ہونی چاہیئے مگر یہ نتیجہ ماخذ کے صریحی بیانات سے عموماً اور ابن اسحاق کے بیان سے خصوصاً مردود قرار پاتا ہے۔ تقریباً تمام ماخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ جمادی الآخر، رجب، شعبان اور رمضان کے پہلے ہفتہ تک آپ مدینہ میں مقیم رہے تھے۔ اور غزوۂ ذوالعشیرہ سے واپسی پر آپ نے سریہ نخلہ بھیجا تھا۔ اس سے دو اہم نتیجے سامنے آتے ہیں: اوّل یہ کہ غزوہ ذوالعشیرہ کے بارے میں ابن اسحاق کی بیان کردہ تاریخیں زیادہ صحیح ہیں اور واقدی کی مشتبہ۔[۸۸] دوم یہ کہ ابوسفیان کا کاروان شام اس وقت تک روانہ ہی نہ ہوا تھا۔ تو پھر اس پر مسلم چھاپے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے!

پھر آخری نکتہ اس کاروان قریش کے بارے میں یہ ہے کہ اس عظیم ومالا مال قافلے کے ساتھ کل تیس چالیس اور ایک روایت کے مطابق ستر آدمی تھے[۸۹] اور وہ کل ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔[۹۰] اس پر تمام ماخذ کا اتفاق ہے کہ ماضی قریب میں یہ سب سے بڑا کاروان مکہ تھا جس میں ہر مکی مرد و عورت کا کچھ نہ کچھ پیسہ لگا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کے بعض قریشی کاروانوں کا ذکر آچکا ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ کسی میں تین سو، کسی میں دو سو اور کسی میں سو محافظ یا اشخاص تھے۔ ایک کارواں کے بارے میں تو یہ کہا گیا ہے کہ اس میں پندرہ سو اونٹ تھے۔ ظاہر ہے کہ سب کے سب ابوسفیان کے زیر قیادت مکی کارواں کے مقابلے میں کافی حقیر تھے۔ ان میں اتنی بڑی تعداد میں محافظوں یا تاجروں کی موجودگی کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے تعداد میں مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے اس خیال کو مغربی مورخین خصوصاً مونٹگمری واٹ نے قبول کرلیا ہے۔[۹۱] دوسرے یہ کہ مکی تاجروں نے شروع میں مدینہ میں اور مسلم حکومت کے قیام سے خوف محسوس کیا تھا اور حفاظت کی خاطر زیادہ سے زیادہ محافظ ساتھ لیے تھے لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا ان کے دل سے خوف دور ہوتا گیا

اور اسی وجہ سے قریشی کاروانوں میں شامل افراد کی تعداد گھٹتی گئی تاآنکہ ان کے عظیم ترین کاروان میں افراد کی طاقت سب سے کم رہ گئی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ جب ابوسفیان اپنا کارواں لے کر شام روانہ ہوئے تھے تو نہ صرف ان کو بلکہ مکہ والوں کو مدینہ کے مسلمانوں سے کم ازکم کوئی خطرہ اپنی تجارت کے لیے محسوس نہیں ہوا تھا۔ اور نہ ہی اس قافلے والوں نے پورے سفر کے راستہ میں خاص کر مدینہ کے قریب سے گذرتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ ان کو پہلی بار خطرہ شام میں قیام کے دوران یا اپنی واپسی پر شام کی سرحد پر بنو جذام و عذرہ کے علاقہ میں محسوس ہوا تھا اور وہ ہوشیار ہوگئے تھے اور انھوں نے اپنا پہلی فرصت میں اس کی حفاظت کا بندوبست کیا تھا۔ ان تمام نکات و حقائق کی روشنی میں یہ بات حتمی طور سے کہی جاسکتی ہے کہ غزوہ ذوالعشیرہ کا مقصد و محرک قریشی کاروان تجارت پر چھاپہ مارنا نہیں تھا بلکہ اس علاقے کے بدوی قبائل سے صلح و دوستی کے معاہدے کرنا تھا ــــــــــ (جاری)

دفتر "برھان" میں اعزازی تقریب ہوئی

یکم نومبر ۱۹۸۲ء کی شب میں دفتر "برہان" میں جنرل منیجر جناب عمید الرحمٰن عثمانی کی جانب سے اُردو کے مایۂ ناز ادیب جناب خلیق انجم کے اعزاز میں ایک عشائیہ دیا گیا جس میں ملک کے نامور صحافی، ادیب اور دانشوروں نے شرکت کی۔ ایڈیٹر "برہان" مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے شرکت فرماکر محفل کو اعزاز بخشا ان کے علاوہ مشہور ادیب نثار احمد فاروقی اور پروفیسر ڈاکٹر خورشید احمد فارقی اور دیگر مشاہیر ادیبوں اور صحافیوں نے شرکت کی۔ یہ تقریب بے حد خوشگوار طریقہ پر انجام پائی۔

شریف التواریخ

پروفیسر محمد اسلم صدر شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور

(۳)

نوشاہی صاحب ص ۳ پر حضرت حسینؓ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ موصوف دن رات میں تین ہزار نفل ادا کیا کرتے تھے۔ اگر حضرت حسینؓ اور کوئی کام نہ بھی کرتے اور چوبیس گھنٹے نفل ہی ادا کیا کرتے اور ایک نفل کی ادائیگی میں ایک منٹ صرف ہوتا تو چوبیس گھنٹوں میں ۱۴۴۰ نفل ادا کر سکتے تھے۔ اقبال مجددی نے شبلیؒ و آزادؒ کے بارے میں بلا دھڑک لکھ دیا ہے کہ وہ خیالی گھوڑے دوڑایا کرتے تھے۔ نوشاہی صاحب کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟

اسی طرح ص ۳ پر نوشاہی صاحب کی یہ عبارت قابل اعتراض ہے کہ حضرت حسینؓ یزیدیوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے چار سو دس اشقیاء کو واصل جہنم کر کے سنانِ بے ایمان کے نیزہ اور شمر پلید کی تلوار سے نہایت مظلومی کی حالت میں بھوکے اور پیاسے شہید ہوئے۔

وَاِنْ طَائِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا۔ قرآن کریم کی اس آیت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑنے لگیں تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو جائیں گے، البتہ زیادتی کرنے والا گناہگار ہوگا۔

شرافت صاحب نے یزید کو خواہ مخواہ واقعہ کربلا میں ملوث کر لیا ہے، حالانکہ امام صاحب کو شہید کرنے والے بے وفا کوفی تھے جو انہیں مکہ سے بلا لائے تھے۔ مزید برآں یزید ایسا برا نہ تھا جیسا

شرافت صاحب سمجھتے ہیں۔ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اس کے نمازی اور پابند سنت ہونے کے علاوہ فقہ میں دلچسپی لینے اور نیک کاموں میں پہل کرنے کی گواہی دی ہے۔ حضرت حسینؓ کے برادر عزیز محمد بن الحنفیہ سے کسی نے کہا کہ یزید برا آدمی ہے تو انھوں نے فرمایا:

ما رأیت منه ما تذکرون وقد حضرته واقمت عنده فرایته مواظباً علی الصلوٰة متحیریاً للخیر یسال عن الفقه ملازماً للسنة[1]

ابن کثیر، ابن عساکر صاحب تاریخ مدینہ دمشق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وقد اورد ابن عساکر احادیث فی ذم یزید بن معاویة کلها موضوعة لایصح شئ منها۔ واجود ما ورد ما ذکرناه علی ضعف اسانید و انقطاع بعضه[2]

نیز بخاری شریف میں مدینۂ قیصر پر حملہ کرنے والے جس لشکر کے مغفورٌ لھم ہونے کی مخبر صادق نے گواہی دی ہے[3]، اس لشکر کا قائد یزید تھا۔ میری یہ جرأت نہیں کہ میں اس نبیؐ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی تردید کروں جس کے بارے میں خالق کون ومکان نے فرمایا ہو: وما ینطق عن الھویٰ ۵ ان ھو الا وحی یوحیٰ ۵ یہ شرافت صاحب ہی کا حوصلہ ہے کہ وہ مغفورلہم کے قائد کو مغلظات سنائیں۔

بات دراصل یوں ہے کہ بنی اُمیہ کے مخالفین، خصوصاً عباسیوں اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حامیوں نے ان کے خلاف جی بھر کر پروپیگنڈہ کیا اور اپنے لیے زمین ہموار کرنے کے لیے اُن کے مصائب کی خوب تشہیر کی۔ طبری اس پر گواہ ہے کہ ۵۱ھ، ۵۲ھ اور ۵۳ھ میں تین سال

---

[1] ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ بیروت ۱۹۶۶ء، ج ۸، ص ۲۳۳۔
[2] ایضاً ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ج ۸، ص ۲۳۱
[3] بخاری، الصحیح، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۷ء، ج ۵، ص ۱۰۷، "باب ما یقال فی قتال الروم" ۔۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لھم۔

یزید نے امیر حج کے فرائض انجام دیئے ۔ اس وقت کم ازکم دس ہزار صحابہ کرام زندہ تھے۔ اکابر صحابہ میں سے ام المومنین حضرت عائشہؓ، ام المومنین حضرت ام سلمہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباس، حضرت سعد بن ابی وقاص، مالک بن انس، ابن یزید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم بقید حیات تھے۔ کسی نے بھی یزید کی امارت حج پر اعتراض نہیں کیا۔ اس کی شرافت کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ سیدہ زینب بنت علیؓ، سیدہ ام کلثوم بنت علیؓ اور سکینہ بنت حسینؓ مدینہ طیبہ کی سکونت ترک کرکے یزید کے دارالخلافہ دمشق میں جا بسیں، ان کے مزارات آج بھی دمشق میں مرجع خلائق ہیں۔ یزید کی اہلیہ ہندہ ام محمد، سیدہ زینب کے خاوند عبداللہ بن جعفر بن علیؓ کی بیٹی تھیں ۔ شرافت صاحب نے جس شمر کو بدگہر کہا ہے، وہ حضرت علیؓ کی زوجہ ام البنینؓ کا بھتیجا تھا یعنی عباس علمدار کا ماموں زاد بھائی۔ اب وقت آگیا ہے کہ انیسؔ و دبیرؔ کی افسانہ طرازیوں سے ہٹ کر واقعہ کربلا کی حقیقت کا ازسرنو جائزہ لیا جائے۔

معاندین صحابہ نے واقعہ کربلا کو اس قدر شہرت دی ہے کہ اس کے مقابلہ میں بدر و اُحد کی اہمیت ختم ہو کر رہ گئی ہے، اور لوگ یہ باور کرنے لگے ہیں کہ اگر واقعہ کربلا پیش نہ آتا تو اسلام زندہ ہی نہیں رہتا۔ ہماری رائے میں یہ سب تاریخ اسلام سے بےخبری کا نتیجہ ہے۔ اسلام کو غزوۂ بدر میں بچایا گیا ہے، واقعہ کربلا میں نہیں۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ یوم بدر کافروں کے حق میں سخت گرفت کا دن تھا۔ بخاری ہی کی روایت ہے :

جاء جبرئیل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما تعدون اھل البدر فیکم قال من افضل المسلمین او کلمۃ نحوھا قال وکذلک من شھد بدراً من الملائکۃ [1]

---

[1] بخاری، الصحیح، مطبوعہ بولاق ۱۳۱۴ھ، ج ۵۔ ص ۸۰۔

حضرت سہل بن حنیفؓ بدری صحابی تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی مواخات کروائی تھی[۱] حضرت سہل ۳۸ھ میں کوفہ میں فوت ہوئے تو حضرت علیؓ نے برادرانہ تعلقات کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ابن حجر لکھتے ہیں:

وقال عبد اللہ بن معقل صلی علیہ علی فکبر ستا وفی روایۃ خمسا ثم قال انہ بدری[۲]

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ۵۵ھ میں فوت ہوئے۔ انھوں نے وہ کرتہ سنبھال کر رکھا ہوا تھا جو انھوں نے بدر کے دن پہنا تھا۔ عالم نزاع میں انھوں نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ کفن کے ساتھ انھیں وہ کرتہ بھی پہنا دیں۔ یہ کرتہ انھوں نے اسی دن کے لیے ۵۵ برسوں سے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ صحابہ میں ایک ہی تخصیص ہے۔ بدری۔ میں نے آج تک کسی صحابی کے نام کے ساتھ احدی، خندقی، طائفی، حنینی یا تبوکی لکھا ہوا نہیں دیکھا۔ ان کے ہاں بدری ہونا سب سے بڑا شرف تھا۔ سبائیوں اور عجمیوں نے بدر کی اہمیت ختم کرنے کے لیے کربلا کی غیر معمولی تشہیر کی ہے۔

شرافت صاحب نے ص۲۷۸ پر حضرت زین العابدینؒ کی والدہ کا نام "شاہ زناں سلافۃ الملقب بہ شہر بانو بنت یزدگرد" لکھا ہے۔ "شاہ زناں" کا اضافہ شرافت صاحب کی طرف سے ہے اور "الملقب بہ" کسی مستند تاریخ میں نہیں آتا۔ امام موصوف کی والدہ کا نام سلافہ تھا اور وہ سندھی ام ولد تھیں[۳]۔ ابن قتیبہ الدینوری نے المعارف میں اور سندھی کے نامور عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوری نے وسیلۃ الغریب الی جناب الحبیب میں ہماری بات کی تصدیق کی ہے۔ دراصل ایرانیوں نے ساسانی بادشاہوں کی اولاد کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے شہر بانو کا نام مشہور کر دیا ہے، حالانکہ

۱۔ ابن حجر: اصابہ، مطبوعہ کلکتہ، ج ۲، ص ۲۷۹ — اخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بینہ وبین علی ابن ابی طالب لوگوں نے یہ بات یونہی اڑا دی ہے کہ حضرت نبی کریمؐ نے مہاجرین کی انصار سے مواخاۃ کرائی تو علیؓ کو اپنا بھائی بنا لیا۔ مواخاۃ مہاجرین اور انصار کے درمیان ہوئی تھی نہ کہ مہاجر اور مہاجر کے درمیان۔

۲۔ ایضاً

۳۔ غلام مصطفیٰ قاسمی، ماہنامہ الولی حیدرآباد، بابت فروری مارچ ۱۹۷۶ء ص ۳۔

Accession Number
838 46
Date 5-11-85

س وقت یزدگرد کو شکست ہوئی ہے اس وقت اس کی اپنی عمر اٹھارہ انیس برس کی تھی۔ اس عمر میں
س کے یہاں جواں سال بیٹی کہاں سے آگئی ؟

نوشاہی صاحب ص۳۷۶ پر لکھتے ہیں کہ حضرت زین العابدینؒ اس قدر رویا کرتے تھے کہ آنسو
الاخانہ کے پرنالہ کی راہ سے نیچے گرتے تھے اور وہاں پر گھاس جم گئی تھی۔ خدا جانے مصنف اس طرح
کی بے سر و پا حکایات کہاں سے جمع کرلاتے ہیں ؟ مجددی صاحب کو شبلی و آزاد کے ہاں تو خیالی
گھوڑے نظر آگئے، وہ شرافت صاحب کے ڈربی ریس میں حصہ لینے والے گھوڑوں کو کیوں
نظر انداز کر گئے ؟

اثنا عشریوں کے چھٹے امام جعفر صادقؒ کے حالات کے ضمن میں شرافت صاحب لکھتے ہیں :

" ان کے پاس مصحفِ فاطمہؓ بھی موجود تھی جس میں جو کچھ قوت سے فعل میں آتا ہے اور زمام ہر ایک ملک وحاکم کا جو قیامت تک ہوں گے، لکھا ہے اور جامعہ بھی ایک کتاب ہے مثل طومار کے ستر گز لانبی ہے۔ اس میں وہ سب باتیں درج ہیں جن کی خلقِ خدا قیامت تک محتاج ہوگی " گویا یہ دونوں کتابیں قرآن مجید سے زیادہ اہم ہیں جن کی خلقِ خدا " قیامت تک محتاج " ہوگی۔

نوشاہی صاحب ص۳۸۵ پر لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قبر امام موسیٰ کاظمؒ اجابتِ دعاء کے لیے تریاقِ مجرب کا حکم رکھتی ہے۔ مصنف نے اس کا حوالہ نہیں دیا۔ موصوف ص۴۹۲ پر لکھتے ہیں کہ اہل بغداد شیخ معروف کرخی کی قبر مبارک کے توسل سے طلبِ باراں کرتے تھے اور ان کی قبر تریاقِ مجرب ہے۔ نیز وہ اپنی قبر میں زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں ___ شرافت صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ جب مدینہ طیبہ میں امساکِ باراں ہوا تو عمر فاروقؓ نے روضۂ رسولؐ پر دعاء کرنے کی بجائے کھلے میدان میں نمازِ استسقاء ادا کرنے کے بعد حضرت عباسؓ سے بارانِ رحمت کے لیے دعاء کروائی تھی۔ انھوں نے روضۂ رسولؐ کو " تریاقِ مجرب " نہیں سمجھا تھا۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ شریعت کے مسائل کو جس طرح ایک صحابیِ رسولؐ سمجھتا تھا، رازی و غزالی جیسے ائمہ اور جنید و شبلی جیسے صوفیاء اس کا عشر عشیر بھی نہیں سمجھ سکتے۔ جب سے تصوف کے راستے قبر پرستی کی ابتداء ہوئی ہے، مسلمانوں میں

شرک سرایت کرگیا ہے۔ اب تو ہمارے ہاں اعراس کے موقع پر قبروں کو باقاعدہ دھویا جاتا ہے اور بڑے اہتمام کے ساتھ پیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ سرکاری سرپرستی میں ہوتا ہے۔

شرافت صاحب ص۳۸۷ پر لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضاؒ جب شکم مادر میں تھے تو ان کی والدہ تسبیح و تہلیل کی آواز سنتی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سورۃ الشوریٰ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ بعثت سے قبل: مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ۔ اور علی رضاؒ شکم مادر میں کتاب اور ایمان سے آشنا ہو چکے تھے۔ مصنف کی دوسری روایات کی طرح یہ بھی شیعی روایت ہے جسے اس طالب الیل نے شریف التواریخ میں نقل کردیا ہے۔

شرافت صاحب ص۳۹۲ پر امام محمد مہدی ابن حسن عسکری کے سوانح حیات کے ضمن میں رقمطراز ہیں کہ یہ بزرگ بھی اپنی ولادت سے قبل شکم مادر میں سورۃ اخلاص، سورۃ القدر اور آیۃ الکرسی پڑھا کرتے تھے جب وہ پیدا ہوئے تو انھوں نے سورۃ القصص کی تلاوت شروع کردی اور جبرئیل امین چند فرشتوں کو ساتھ لے کر تلاوت سننے آگئے۔ شرافت صاحب نے تاریخ کے ساتھ جتنا ظلم کیا ہے، اس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ حسن عسکری کے بھائی جعفر کی روایت ہے کہ حسن عسکری لاولد فوت ہوئے تھے۔ اسی بنا پر شیعوں نے اسے جعفر الکذاب کہنا شروع کیا۔ مخدوم جہانیاں سید جلال الدین جہانگشتؒ، نواب صدیق حسن خاں قنوجی اور سید علی نقی المعروف بہ نقن صاحب اسی جعفر کی اولاد سے ہیں۔ محتاط قسم کے تذکرہ نویس جعفر کو کذاب کی بجائے نواب لکھتے ہیں۔

نوشاہی صاحب ص۳۹۴ پر لکھتے ہیں "میں نے بارہ اماموں کے حالات تبرکاً اس کتاب میں داخل کر دیئے۔ خدا تعالیٰ حضرات ائمہ معصومین کے طفیل میرا خاتمہ بالایمان کرے اور بروز قیامت ان کے غلاموں میں محشور محسوب فرماوے۔" مصنف کی ایسی ہی تحریروں سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مصنفہ شیعہ ہیں اور تقیہ کر کے سنیوں میں شامل ہوگئے ہیں۔ اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ معصوم صرف انبیا ہوا کرتے ہیں۔ انبیاء کرام کے علاوہ سنی کسی کو معصوم نہیں مانتے۔ "ائمہ معصومین" شیعوں کی خاص اصطلاح ہے جسے صحیح العقیدہ سنی تسلیم نہیں کرتے۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح خاتم النبیین

ے اسی طرح آپ خاتم المعصومین بھی تھے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ دوازدہ ائمہ کو ملنے سے
تم نبوت پر زد پڑتی ہے کیونکہ اثنا عشریوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان پر وحی نازل ہوا کرتی تھی۔ مہدی کی
ناوت سننے کے لیے جبرئیل کی آمد کے شرافت صاحب بھی قائل ہیں۔

ص۲۸ پر نوشاہی صاحب کا یہ بیان کہ میر سید جمال قلندر کی عمر ہزاروں سال ہو چکی تھی، کسی
بصرہ کا محتاج نہیں۔ اس سے یہی مطلب اخذ ہوتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پہلے
نیا میں موجود تھے۔ ص۴۲ پر موصوف لکھتے ہیں کہ قطب الدین بینا دل قلندر (م ۸۳۶ھ) کا سر ذکر
کے وقت تن سے جدا ہو جایا کرتا تھا اور انھوں نے دو بار چین کی اور انگلستان کی سیاحت کی تھی۔
۸۳۶ھ سے قبل انگلستان کی سیاحت محض افسانوی حیثیت رکھتی ہے۔ صحابہ کرام قطب الدین
سے زیادہ ذاکر و شاغل تھے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سورۃ الفرقان میں فرماتا ہے والذین
یبیتون لربھم سجداً وقیاما۔ ان میں سے کسی کا سر ذکر کے وقت تن سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ اگر
کمال ہے تو صحابہ کرام کو بدرجہ اتم حاصل ہونا چاہئے تھا۔

نوشاہی صاحب نے ص۱۴ پر حضرت علی کے ننانوے نام لکھے ہیں جن میں سے خاتم الوصیین،
بر البشر، ذوالقرنین، سید العرب، شیخ المہاجرین والانصار، الصدیق الاکبر، صراط مستقیم، صفوۃ اللہ،
یم النار والجنۃ، الفاروق الاعظم، الوصی، نفس الرسول، وارث رسول اور سید المومنین۔ قابل
تراض بھی ہیں اور اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف بھی۔

شرافت صاحب نے ص۲۵۳ پر حضرت علی کی تصانیف میں ___ کتاب الجفر والجامعہ ___ اور
یفۂ علویہ ___ کا ذکر کیا ہے۔ ان کتابوں کا انتساب جناب ممدوح کی طرف کسی طرح بھی
یح نہیں۔

شرافت ص۲۱۴ پر لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت علیؓ نے ابن ملجم کو دیکھ کر فرمایا "یہی شخص مجھے
ہید کرے گا" لوگوں نے عرض کیا کہ پھر اسے قتل کر ڈالئے۔ حضرت نے فرمایا " اگر میں اسے مار
لوں تو مجھے شہید کون کرے گا" شرافت صاحب کی یہ روایت بھی بے سند ہے۔

شرافت صاحب صـ۱۲۱ پر لکھتے ہیں کہ امام حسن بصریؒ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت سے مشرف ہوئے اور خرقہ فقر پایا۔ محدثین کرام کے نزدیک ان دونوں کا لقا ثابت نہیں۔ ثانیاً اس وقت خرقہ دینے دلانے کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ اس کا رواج بہت بعد میں پڑا۔

شرافت صاحب نے صـ۱۵۲ پر سلسلہ بسویہ اور اس کے بانی خواجہ احمد بسوی ترکستانی کا ذکر کیا ہے۔ ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ بزرگ یسی کے رہنے والے تھے اس لیے یسوی کہلائے۔ لہٰذا ان کا سلسلہ اسی نسبت سے یسوی کہلائے گا۔ اسی طرح انھوں نے صـ۱۴۸ پر گازروں کو گاذروں اور گازرونی کو گاذرونی لکھا ہے جو صحیح نہیں۔ امام شاہی فقراء کی ذ میں شرافت صاحب صـ۱۵۱ پر لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ کے فقراء اپنے ماتھے پر جلی ہوئی راکھ سے ا (الف) کھینچتے ہیں۔ یہ الف کھینچنا بھی خوب رہا۔ صاف صاف کیوں نہیں لکھ دیا کہ قشقہ کھینچتے ہیں۔ بقول اقبال:

میں اصل کا خاص سومناتی　　آبا میرے لاتی و مناتی

حضرت حبیب عجمی کے حالات میں شرافت صاحب صـ۲۶۲ پر لکھتے ہیں کہ انھیں طی ارض کی قدرت حاصل تھی۔ وہ آٹھویں ذی الحجہ کو دن کے وقت بصرہ میں ہوتے اور رات ہوتے ہی عرفات میں پہنچ جا کرتے تھے۔ شرافت صاحب نے اور بھی کئی بزرگوں کے بارے میں ایسی روایات لکھی ہیں کہ وہ چند قدم اٹھاکر کہیں سے کہیں پہنچ جایا کرتے تھے۔ انھوں نے صـ۱۹۴ پر شاہ سلیمان نوری کے بارے میں لکھا کہ وہ تیرہ قدموں میں خراسان سے خوشاب پہنچ جایا کرتے تھے۔

کیا ہی اچھا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ طی ارض کی قدرت امام الاولین والآخرین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطاء فرما دیتا اور آپؐ ہجرت کے موقع پر غار ثور میں تین شب و روز چھپنے کی بجائے چند قدم اٹھاکر مکہ سے مدینہ پہنچ جاتے۔ حضورؐ کے اہل و عیال چھ ماہ بعد مکہ سے مدینہ پہنچے انھیں بھی خدا نے طی ارض کی قدرت نہ دی۔ امام حسینؓ بار بار کوفیوں سے کہتے ہیں کہ مجھے وا

جانے دو، یا سرحد کی طرف نکل جانے دو، یا پھر یزید کے پاس جانے دو تاکہ میں اپنے ابن عم (یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دیدوں۔ لیکن کوفی ہر بار مزاحمت کرتے ہیں اور آپ مع اہل وعیال ان کے نرغے میں گھر جاتے ہیں۔ اگر انھیں طی الارض کی قدرت حاصل ہوتی تو فوراً کربلا سے مدینہ منورہ پہنچ جاتے کیا یہ قدرت صرف عجمیوں ہی کو حاصل ہے؟

شرافت صاحب کے ماخذ میں حقیقتِ گلزار صابری بھی شامل ہے، اور انھوں نے ص۴۶ پر اور اس کے علاوہ اور بھی کئی مواقع پر اس کے حوالے دیئے ہیں۔ حقیقت گلزار صابری کی حقیقت داستان امیر حمزہ، الف لیلیٰ اور طلسم ہوشربا کی طرح محض افسانوی ہے۔ ایک اور بات قابل توجہ ہے کہ جب کوئی بزرگ جنت ہوتا تو آسمان سے ندائے غیبی ضرور آیا کرتی تھی۔ مصنف نے ص۵۵ پر امام حسن بصریؒ کی وفات کے ضمن میں اور ص۴۶ پر حبیب عجمیؒ کی وفات کے موقع پر غیبی آوازوں کا ذکر کیا ہے۔ صحابہ کرام کی وفات کے وقت تو ایسی آوازیں کبھی نہیں سُنی گئیں کہ "حبیب حبیب سے مل گیا"۔ کیا یہ صوفیاء اصحابِ بدر و اصحابِ شجرہ سے زیادہ اللہ کو پیارے تھے؟ اگر ایسا ہی ہے تو پھر بدر و اُحد کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے۔ ہم تو آج تک یہی سمجھتے رہے ہیں کہ صحابہ کرام اور خاص کر اصحاب بدر بہترین مخلوق تھے اور ان سے افضل لوگ (ماسوائے انبیاء کرام) اس کرۂ ارض پر نظر نہیں آئے۔ شریف التواریخ پڑھکر یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے حبیب ایرانی نژاد صوفیاء تھے۔

شرافت صاحب ص۷۶ پر شیخ داؤد طائی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب میں کسی کو ان تقدم کا رتبہ حاصل نہیں تھا۔ ہم نے یہ روایت کبھی نہیں سُنی کہ امام اعظمؒ کے اصحاب میں زفر، ابو یوسف، الشیبانی اور عبداللہ بن مبارک سے بھی کوئی بڑا صاحب موجود تھا۔ اس روایت میں بھی شرافت صاحب منفرد ہیں۔ اسی بزرگ کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں کہ نماز جماعت میں جانا آپ پر نہایت جبر اور ناگوار تھا۔ بھلا یہ کیسی ولایت ہے کہ ولی نماز باجماعت کو خود پر جبر سمجھے اور یہ اُسے ناگوار ہو۔ ابن مسعودؓ نماز باجماعت کو واجب یا سنّت موکدہ کی بجائے "دین" فرمایا کرتے تھے۔

شیخ سری سقطی کے بارے میں شرافت صاحب ص۸۶ پر لکھتے ہیں کہ پریوں میں سے ایک جوان

ان کے پاس آیا اور پوچھا حیا کس کو کہتے ہیں؟ شیخ موصوف نے جواب دیا تو وہ بھی زیادہ پانی ہوگیا۔ جب جنید وہاں پہنچے تو زمین گیلی تھی۔ ہم تو سیدنا عثمان غنیؓ کو کامل الحیاء والایمان سمجھتے ہیں یہ پری زادہ ان سے بھی چند قدم آگے نکلا۔ شرافت صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ پریوں کا کوئی وجود ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے پیش کرتے۔

شرافت صاحب نے ص۱۶۵ پر سامُرہ لکھا ہے۔ دراصل یہ سُرَّ مَنْ رأیٰ ہے کثرت استعمال سے پہلے سرمن را اور پھر سامرا ہوگیا۔ اس کی املا سامُرہ کسی طرح بھی درست نہیں۔ اس سے اگلے صفحہ پر موصوف شیخ ابوالحسن نسّاج کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ دجلہ کے کنارے بیٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے اور مچھلیاں ان کے پاس جمع ہوجایا کرتیں اور دریائی تحفے لاتیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ مچھلیوں کی شیخ موصوف کے ساتھ دوستی ہوگئی اور وہ تحائف بھی پیش کرنے لگیں لیکن اسی دریا کی مچھلی حضرت یونس علیہ السلام کو نگل گئی اور آپ اس کے شکم میں رہ کر بقول قرآن انتہائی لاغر ہوگئے تھے۔

شرافت صاحب ص۱۷۵ پر شیخ ابوعلی احمد المسوحی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جب وہ حج کے لیے بغداد سے مکّہ روانہ ہوتے تو اپنے ساتھ ایک سیب لے جاتے اور اسے سونگھتے سونگھتے یہ طویل سفر طے کرلیتے۔ یعنی سیب کی خوشبو سے ان کی بھوک اور پیاس مٹ جاتی تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ غزوۂ احزاب کے موقعہ پر خندق کی کھدائی کے وقت آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ اپنے شکموں پر پتھر باندھ کر گذارہ کیا کرتے تھے اور ان کے چہروں پر بھوک اور ضعف کے اثرات نمایاں ہوتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ بھوک کی شدت سے بیہوش ہوکر گر پڑتے تو لوگ سمجھتے کہ شاید ان پر مرگی کا دورہ پڑا ہے۔ بسا اوقات وہ بھوک کے عالم میں کسی آیت کا مطلب پوچھنے کے بہانے کسی صحابی کے گھر پہنچ جاتے کہ شاید وہاں سے کچھ کھانے پینے کو مل جائے[1] لیکن

---

[1] بخاری، الصحیح۔ کتاب الاطعمۃ۔ محمد علی ایڈیشن لاہور۔ ج ۲ ص ۱۲۸۱

چند صدیوں کے بعد ایک صوفی سیب سونگھ کر کئی کئی ہفتے گذار لیا کرتا تھا۔

شرافت صاحب نے صلا۵۲ پر سٹرسٹھ کو ستاسٹھ لکھا ہے جو صریحاً غلط ہے۔ صلا۵۳ اور صلا۵۴ پر انھوں نے سنبھال کو سمہال لکھا ہے۔ یہ پنجابی زبان میں تو درست ہے لیکن اردو میں نہیں۔ اسی طرح صلا۵۴ پر سنبھالا کو سمہالا لکھا ہے۔ صلا۹۵۶ پر گھٹی کے لیے انھوں نے گڑہتی استعمال کیا ہے۔ یہ اردو کے ساتھ سراسر ظلم ہے۔ شرافت صاحب نے صلا۹۳ پر سحری کے لیے ٹھیٹھ پنجابی لفظ سرگی استعمال کیا ہے۔ موصوف صلا۹۶ پر حکم بن العاص کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ایک بار وہ نبی کریمؐ کے پیچھے بیٹھا ان کے "سانگ" لگا رہا تھا۔ نقل اتارنا یا سوانگ بھرنا اردو کا محاورہ ہے۔ "سانگ لگانا" پنجابی محاورہ ہے۔ جو انھوں نے یہاں استعمال کیا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ شبلی و آزاد کو کوستے دیتے جا رہے ہیں۔ شریف التواریخ کی طباعت سے پہلے اگر وہ اس کا مسودہ کسی اردو داں کو پڑھا لیتے تو کم از کم زبان کی اغلاط تو باقی نہ رہتیں۔ داغ نے کیا خوب کہا ہے:

نہیں کوئی کھیل داغ یاروں سے کہدو　　　کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

شرافت صاحب صلا۲۴ پر لکھتے ہیں کہ شیخ سری سقطی کے گھر کی دہلیز میں ایک کوٹھری تھی۔ میرے خیال میں یہاں دہلیز کی بجائے ڈیوڑی ہونا چاہئے تھا۔ مصنف صلا۳۱ پر لکھتے ہیں کہ روز شیخ مذکور کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک کتا بھونکا۔ آپ نے فرمایا لبیک لبیک۔ ایک مرید نے پوچھا کہ آپ نے کیا کہا؟ شیخ نے جواب دیا کہ انھوں نے اس آواز کو "آواز حق" سنا اس لیے جواب میں لبیک لبیک کہا۔ یہ وحدت الوجود کا ایک ادنیٰ کمال ہے۔ پہلے کتے کو ہمہ اوست سمجھا پھر اس کی آواز کو آواز حق جانا۔

شرافت صاحب صلا۳۵ پر لکھتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک لاکھ ننانوے ہزار بار اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تھا۔ ہم نے حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ تین سال میں ہزار راتیں ہوتی ہیں۔ حضرت نے ۸۱ سال عمر پائی۔ ۸۱ برس میں تقریباً پینتیس ہزار راتیں بنتی ہیں۔ اس میں سے بچپن کے پندرہ سولہ برس منہا کر دیں تو ستائیس ہزار یا اٹھائیس ہزار راتیں بنتی ہیں۔ شرافت صاحب

ہیں حساب لگاکر بتادیں کہ ستائیس ہزار راتوں میں حضرت جنید نے ایک لاکھ تنا نوے ہزار بار اللہ تعالیٰ کو خواب میں کیسے دیکھ لیا ؟

خرافت صاحب صفحہ ۵۳۸ پر لکھتے ہیں کہ بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ نے قیام بغداد کے ایام میں ..... بابا صاحب کا بغداد جانا کسی مستند تذکرے میں مرقوم نہیں ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بابا صاحب کی سوانح عمری میں اس کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ صفحہ ۵۵۵ پر مصنف نے حضرت ممشاد دینوری کا ذکر کیا ہے۔ حضرت ممشاد کی نسبت دِینوری نہیں بلکہ دِینوَری ہے۔

شرافت صاحب صفحہ ۵۶۰ پر حسین بن منصور حلاج کے بارے میں لکھتے ہیں کہ موصوف بغداد کے باب الطاق میں ہاتھ پاؤں کاٹ کر نہایت بے رحمی سے "شہید کیے گئے۔ اگر حلاج کو شریعت کے فتویٰ کے مطابق سزائے موت دی گئی تو اسے شہید لکھنا شریعت کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ صفحہ ۵۶۱ پر موصوف شیخ ابو محمد احمد الجریری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ ایک سال مکہ مکرمہ میں رہے، اتنا عرصہ نہ سوئے نہ لیٹے نہ پاؤں دراز کیے۔ یہ بات بشری طاقت سے بعید ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ ایک بار سفر کے دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور بلالؓ کو بھی نیند آگئی اور فجر کی نماز قضا ہوگئی۔ لاتاخذہ سنۃ ولا نوم تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ یہ الجریری ایسی صفات کے حامل کیسے ہوگئے ؟

شرافت صاحب صفحہ ۵۶۲ پر لکھتے ہیں کہ شیخ ابوبکر محمد المعروف بہ ابن الفرغانی کا اصل وطن خراسان کا شہر فرغانہ تھا۔ فرغانہ نہ ہی کسی شہر کا نام ہے اور نہ ہی یہ خراسان میں واقع ہے۔ فرغانہ ماوراء النہر میں ایک ریاست تھی جس کا دارالحکومت اندجان تھا۔ فرغانہ کے شہروں میں مرغینان، غجدوان اور اوش خاص طور پر مشہور ہیں۔ صفحہ ۵۶۵ پر شیخ ابوبکر محمد البغدادی کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے بارہ ہزار ختم قرآن بحالت طواف کیے تھے۔ یہ روایت بھی باور ہوا معلوم ہوتی ہے۔ مصنف صفحہ ۶۰۸ پر لکھتے ہیں کہ شیخ عثمان نام کے ایک صوفی ہر روز ہزار مرتبہ قرآن شریف ختم کیا کرتے تھے۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ ہزار بار تو صرف سورۃ البقرہ کا ختم بھی نہیں ہو سکتا